یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

شامی عیسائیوں کی وساطت کا مفروضہ

از :

جناب شبیر احمد خانصاحب غوری ایم ۔ اے ۔ ایل ایل بی ۔ بی ٹی ۔ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی

(اتر پردیش)

اسلامی ثقافت میں علوم عقلیہ کے آغاز و ارتقا بالخصوص ان کے قبل از اسلامی مآخذ و مصادر کا مسئلہ بڑا اہم اور دلچسپ ہے۔ فان کریمر کی تقلید میں نکلسن نے تو صرف اتنا ہی لکھا تھا :۔

It is Probable that the latter (Mutazilites) at any rate arose, as von Kremer has suggested, under the influence of Greek Theologians specially John of Damascus and his pupil, Theodore Abucara (Abu Qurra) the Bishop of Harran. (Nicholson: Literary History of Arabs, pp 220-221)

"اس بات کا احتمال ہے کہ فرقۂ معتزلہ یونانی علماء دینیات بالخصوص یوحنائے دمشقی اور اس کے شاگرد ابو قرہ اسقف حران کے زیر اثر پیدا ہوا جیسا کہ فان کریمر کا خیال ہے لیکن مستشرقین کے متشدد عقیدتمندوں نے اس محدود مفروضہ کو جو صرف اعتزال اور علم کلام کے آغاز تک سے متعلق تھا تعمیم دے کر اسلامی فکر کے جملہ عقلی علوم کو شام کے نو افلاطونی فلاسفہ و متکلمین سے مستعار قرار دیا۔ اگر

"کہنے والے کہتے ہیں کہ شام کے نوفلاطونی فلسفیوں بلکہ مسیحیین کے خیالات نے ہی مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کے لئے سنگ میل کا کام دیا ہے۔"

لیکن خان کریمر کا محدود مفروضہ ہو یا اس کے مشرقی عقیدت مندوں کی تعمیم دونوں محلِ نظر ہیں۔ اعتزال کے اصول اور یوحنائے دمشقی کی تعلیمات میں کوئی بنیادی مماثلت نہیں ہے۔ اس کے برعکس فرقۂ معتزلہ کے تاریخی ارتقا کی تفاصیل بڑی حد تک محفوظ ہیں اور ان میں یونانی دینیات کے کسی علماء کا کوئی اثر متعین نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ سطورِ ذیل میں یونانی حکمت اور مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کے مابین شامی نوفلاطونیوں کے وسیط ہونے نہ ہونے کے مسئلہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

عام طور پر "مسلمانوں کی عقلی موشگافی" کا جو مفہوم سمجھا جاتا ہے اُس کا آغاز عباسی خلافت کی ابتدا سے ہوتا ہے۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کی سرپرستی میں اُس دیرپا اور مسلسل فکری تحریک کا افتتاح ہوا جو آج کے دن تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے عباسی دور سے پہلے مسلمانوں میں عقلی علوم سے بے اعتنائی کے سلسلے میں لکھا ہے:

وکانت العرب فی صدر الاسلام	ابتدائے اسلام میں اہل عرب سوائے اپنی زبان
لا تعنی بشیٔ من العلم الا بلغتها ومعرفة	اور احکام شریعت کے علم کے کسی دوسرے علم کے
احکام شریعتها حاشا صناعة الطب	ساتھ اعتنا نہ کرتے تھے اِلّا طب کے ساتھ کیونکہ
فانها کانت موجودة عند افراد	بعض عرب اس میں کچھ شدبد رکھتے تھے نیز عام
من العرب غیر منکرة عند جماهیر	لوگوں میں یہ ناپسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ
هم لحاجة الناس طراً الیها"	انھیں اس کی ضرورت رہتی تھی۔

(طبقات الامم ص ۴۷)

قاضی صاعد نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ابوجعفر منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) سے پہلے مسلمانوں نے علومِ عقلیہ کے ساتھ کوئی اعتنا نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

فهذه کانت حالة العرب فی الدولة	یہ تھی عرب کی ثقافتی حالت اموی حکومت

لا الاموية فلما ادال الله تعالى الدولة للهاشمية ..... فكان اول من عني منهم بالعلوم الخليفة الثاني ابو جعفر المنصور ..... فكان رحمه الله تعالى مع براعته في الفقه وتقدمه في علم الفلسفة وخاصة في علم صناعة النجوم كلفا بها وباهلها[51]

میں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے اس خلافت کو ہاشمی (عباسی) خاندان میں منتقل کیا ..... تو ان میں سے جس شخص نے سب سے پہلے علم و حکمت کے ساتھ اعتنا کیا وہ دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور تھا... فقہ میں دستگاہ عالی اور علم فلسفہ بالخصوص علم نجوم میں کمال کے ساتھ اُن علوم اور ان کے ماہرین پر اس کی خاص عنایت تھی۔

اور یہ تحریک خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں اپنے اوجِ کمال پر پہنچی چنانچہ قاضی صاعد آگے چل کر لکھتا ہے:

ثم لما افضت الخلافة الى الخليفة السابع منهم عبد الله المامون بن هارون الرشيد ... تمم ما بدأ به جده المنصور[52]

پھر جب خلافت ان میں سے (عباسیوں میں سے) ساتویں خلیفہ عبد اللہ المامون بن ہارون الرشید کو ملی ..... تو جس تحریک کا اُس کے دادا منصور نے آغاز کیا تھا، اُس نے اُسے تکمیل تک پہنچایا

اُموی دور میں حتیٰ کہ خلافت راشدہ کے آغاز بلکہ عہدِ نبوی میں ایسے منتشر واقعات ملتے ہیں جو عقلی موشگافیوں سے یک گونہ مشابہ ہیں۔ لیکن نہ تو انھوں نے مسلمانوں کے علومِ عقلیہ کے آغاز و ارتقا میں کوئی حصہ لیا ہے اور نہ شامی نوفلاطونیت نے اسلام میں عقلیت کے تسلسل کا افتتاح کیا ہے۔ مگر اس کی تفصیل سے پیشتر ان حضرات کی توجیہات پر ایک نظر ڈالنا مستحسن ہوگا جو مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کو شامی نوفلاطونیوں کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں:۔

واقعہ یہ ہے کہ یوں تو مسلمانوں کے تمام ہی بڑے بڑے شہروں میں ہر جنس و ملت کے لوگ آنے جانے اور بسنے لگے تھے اور ان میں اور مسلمانوں میں علمی روابط کی بنیادیں بھی پڑ گئی تھیں جہاں مسلمان انھیں متاثر کر رہے تھے وہاں ان کے افکار و خیالات سے مناسبتِ ظروف اثر لے بھی رہے تھے لیکن عام طور سے غیر منظم ہو

---

[51] طبقاتِ الامم ص ۵۰، [52] ایضاً ص ۵۰۔

نامنضبط فکریں تھیں۔ جہاں تک منضبط اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ ان کو شامی اہل علم سے ہی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو فلسفے کا چسکا غالباً ان ہی سے لگا۔ قیاس یہ ہے کہ فلسفے کو مسلمانوں سے متعارف کرانے اور اس کو ان میں ہر دلعزیز بنانے میں شامی اطبا نے خاصا حصہ لیا ہوگا۔ طب اور فلسفے میں چولی دامن کا ساتھ تھا۔ فلسفہ طب کی تعلیم کے لئے تمہیدی مضمون تھا اور یہ روایت طب یونانی کی تعلیم میں ابھی تک چلی آرہی تھی۔ یہ اطبا مسلمانوں کی پھیلتی مدنیت کی ناگزیر ضرورت تھے۔ پھر امرا اور رؤسا کی خلوت وجلوت کے ندیم۔ چنانچہ مسلمان طب میں ان ہی شام کے مسیحی اور غیر مسیحی اطبا کے شاگرد ہیں اور یونانی طب کو اسلامی طب بنادینے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔"

اس توجیہ کی جزئیات کی تائید میں منتشر واقعات ملتے ہیں بااینہمہ اُن سے جو نتائج مستنبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے واقعات حوصلہ افزائی کے بجائے ان کی تردید ہی کرتے ہیں، چنانچہ

ا۔ یہ فلاسفہ و اطبا امراء و رؤسا کی خلوت وجلوت کے ندیم ہوں تو ہوں (جیسے یحییٰ نحوی[1] اور ابن آثال) مگر فلسفہ کو مسلمانوں میں مقبول نہ بنا سکے۔

ب۔ شامی اطبا مسلمانوں کی پھیلتی پھولتی مدنیت کی ناگزیر ضرورت تھے۔ مگر مسلمان طب میں شام کے ان مسیحی اور غیر مسیحی اطبا کے شاگرد نہیں ہیں۔

ج۔ فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرانے اور اس کو اُن میں ہر دلعزیز بنانے میں شامی اطبا کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ اور آخر میں

د۔ جہاں تک منضبط اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کو شامی اہل علم سے نہیں ملی اور نہ مسلمانوں کو فلسفہ کا چسکا ان سے لگا۔

ذیل میں ان منتشر واقعات کا تاریخی طور پر جائزہ لیا گیا ہے:۔

عہد نبوی میں بیرونی افکار اور یونانی طب

عہد نبوی میں تین شخصوں کا نام ملتا ہے جنھیں آج کل کی اصطلاح میں حکیم (طبیب) کہا جاسکتا ہے۔ لیکن نہ تو غالباً یہ شامی مدارس طبیہ سے تعلق رکھتے تھے اور نہ انھیں

[1] حالانکہ یحییٰ نحوی اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی ملاقات محض ایک افسانہ ہے۔

یونانی طب کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے اندر کوئی کامیابی حاصل ہو سکی۔

ان میں قدیم ترین نام حرث بن کلدۃ الثقفی کا ہے۔ وہ طائف کا رہنے والا تھا اور اُس نے ایران میں طب و موسیقی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن ابی اُصیبعہ لکھتا ہے :۔

الحرث بن کلدۃ الثقفی کان من الطائف	حرث بن کلدۃ الثقفی طائف کا رہنے والا تھا۔ مختلف
وسار فی البلاد وتعلم الطب بناحیۃ	شہروں کا سفر کیا تھا اور ایران میں طب کا علم
فارس وتمرن ھناک وعرف الداء	سیکھا تھا۔ وہیں اس نے مطب کیا، تشخیص امراض
والدواء وکان یضرب بالعود تعلم	اور معالجہ سے واقف تھا۔ وہ عود اچھا بجاتا تھا۔
ذلک ایضاً بفارس والیمن وبقی ایام	موسیقی کا فن بھی اُس نے ایران اور یمن میں سیکھا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایام	تھا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت
ابی بکر وعمر وعثمان وعلی بن ابی طالب	ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علی بن ابی طالب اور امیر معاویہ
ومعاویہ رضی اللہ عنھم[1]	رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بقید حیات تھا۔

ابن ابی اُصیبعہ کا مآخذ غالباً قاضی صاعد کی طبقات الامم ہے چنانچہ موخر الذکر نے لکھا ہے :۔

فکان من الاطباء علی عھد النبی صلی اللہ	جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اطبائے
علیہ وسلم من العرب الحارث بن کلدۃ	عرب میں سے مشہور طبیب حرث بن کلدۃ الثقفی تھا
الثقفی، کان تعلم الطب بفارس والیمن	اس نے طب کی تعلیم ایران اور یمن میں حاصل کی
وکان یضرب العود وبقی الی ایام	تھی۔ عود اچھا بجاتا تھا۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک
معاویۃ بن ابی سفیان[2]	بقید حیات تھا۔

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ حارث بن کلدۃ الثقفی شامی مدارس کا فارغ التحصیل نہیں تھا بلکہ ایران کے مدرسۂ طب کا فارغ التحصیل تھا۔ زمانہ قبل از اسلام میں مصر و شام طب اور عرفانی فلسفہ و تصوف کے اور ایران و نصیبین منطق اور دیگر عقلی علوم (EXACT SCIENCES) کے گہوارے تھے لیکن اکاسرہ بالخصوص نوشیروان کی علمی

[1] طبقات الامم ص ۴۷، [2] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۱۰۹-۱۱۰۔

سریانیوں نے جندی سابور میں بھی نصیبین کے نسطوری مدرسہ کے مد مقابل ایک درسگاہ قائم کر دی تھی جو مشرق میں منطقی طب کا گہوارہ تھی (اسی جندی سابور کے مدرسہ طب نے جس پر آخر زمانہ میں نساطرہ چھا گئے تھے عباسی عہد میں اسلامی طب کا افتتاح کیا جس کی تفصیل اس مقالے کے موضوع سے خارج ہے)

بہرحال حرث بن کلدۃ الثقفی شام کے نوفلاطونی یا یعقوبی مدارسِ طبیہ کا خریج نہیں تھا بلکہ ایران کے مجوسی یا نسطوری (کیونکہ بعد میں جندی سابور کے طبی مدرسہ کی قیادت بھی نساطرہ ہی کے ہاتھ میں آگئی تھی) مدرسہ طب کا فاضل تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے دیسی طب کا بھی ماہر تھا چنانچہ ابن ابی اُصیبعہ لکھتا ہے:۔

وکانت للحرث معالجات کثیرۃ ومعرفۃ	حرث کو عرب کے طریق مالوف اور اُن کی مخصوص
بما کانت العرب تعتادہ وتحتاج الیہ	دواؤں سے واقفیت تھی۔ اور اُس نے (اس
من المداواۃ۔[1]	انداز پر) بہت سے علاج کئے تھے۔

اور غالباً عرب کے اسی دیسی طب کے ذریعے اس نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کیا چنانچہ اُس نے حضرت سعد بن وقاصؓ کا علاج کھجور اور دودھ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن حرث بن کلدۃ مسلمانوں میں یونانی طب کو مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور یہ اتنا مشہور واقعہ ہے کہ اُس نے طب و معقولات کی تواریخ سے بڑھ کر عربی و فارسی ادب میں بھی ایک امر واقعی کی حیثیت حاصل کر لی ہے جیسا کہ سعدی نے گلستاں میں لکھا ہے:

یکے از ملوک عجم طبیبے حاذق را بخدمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرستاد۔ سالے در دیار عرب بود کسے تجربہ پیش او نیاورد و معالجے از دے نخواست پیش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آمد گلہ کرد کہ مرا ایں بندہ را بسبب معالجت اصحاب بخدمت فرستادہ اند۔ دریں مدت کسے التفاتے نکرد تا خدمتے کہ بر بندہ معین است بجا آورد۔ رسول علیہ السلام گفت ایں طائفہ را طریقے ہست کہ تا اشتہا غالب نشود نخورند وہنوز اشتہا باقی بود دست از طعام بدارند۔ حکیم گفت ایں است موجب تندرستی۔ زمین ببوسید و رفت۔

(گلستاں باب سوم در فضیلت قناعت)

---

[1] عیون الانباء جلد اول ص ۱۰۹ طبقات ... ص ۱۱۰۔

دوسرا مشہور طبیب نضر بن حرث بن کلدۃ الثقفی تھا۔ وہ سابق الذکر حرث بن کلدۃ کا بیٹا اور اس کے برخلاف طب کے علاوہ علوم فلسفہ کی مختلف شاخوں سے واقف تھا۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

النضر بن الحرث بن کلدۃ الثقفی ھو	نضر بن الحرث بن کلدۃ الثقفی جناب نبی کریم صلی اللہ
ابن خالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم کے خالہ کا لڑکا تھا اس نے بھی اپنے
وکان النضر قد سافر البلاد ایضاً	باپ کی طرح بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اور
کابیہ واجتمع مع الافاضل والعلماء	مکہ معظمہ نیز دوسرے شہروں کے علماء و فضلاء کے
بمکۃ وغیرھا وعاشر الاحبار والکھنۃ	پاس رہا تھا نیز یہودی علما اور کاہنوں کی صحبت
واشتغل وحصل من العلوم القدیمۃ	میں بیٹھا تھا۔ قدیم علوم میں سے بہت سی جلیل القدر
اشیاء جلیلۃ القدر واطلع علی	باتیں سیکھی تھیں۔ فلسفہ اور حکمت سے بھی واقف
علوم الفلسفۃ واجزاء الحکمۃ وتعلم	تھا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی طب اور دیگر
من ابیہ ایضاً ما کان یعلمہ من الطب	علوم جو وہ جانتا تھا سیکھے تھے۔
وغیر ذلک[1]	

ممکن ہے تلاشِ علم و حکمت میں نضر بن الحرث ایران کے نسطوری مدارس کے علاوہ شام کے یعقوبی اور نو فلاطونی حلقوں میں بھی پہنچا ہو، اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن اتنا یقینی ہے کہ نہ تو اس کی طبابت مسلمانوں میں مقبول ہو سکی اور نہ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات کو جنہیں علوم نبوت کا متبادل سمجھتا تھا اور جنہیں ممکن ہے اس نے شام کے یعقوبی سریانیوں اور نو فلاطونی فلاسفہ سے اخذ کیا ہو مسلمانوں تک پہنچا سکا کیونکہ وہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید بغض و حسد رکھتا تھا اور اپنی فلسفیانہ معلومات کی بنا پر خود کو مہبطِ وحی کا حریف سمجھتا تھا چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

وکان النضر کثیر الاذی والحسد للنبی	نضر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت
صلی اللہ علیہ وسلم ویتکلم فیہ باشیاء	زیادہ حسد رکھتا تھا اور آپ کو بڑی ایذا پہنچاتا

---

[1] عیون الانباء جلد اول ص ۱۱۳ —

بحیث کما یحط من قدره عند
اهل مکة ویبطل ما تلقی به نبوته
ولو یعلم بشقاوته ان النبوة اعظم
والسعادة اقدم والعنایة الالٰهیة
اجل والامور المقدرة ما ثبت.
وانما النضر اعتقد ان بعلومه
وفضائله وحکمته یقاوم النبوة
واین الثری من الثریا[5]

تھا وہ حضور کے خلاف جھوٹی زبان درازی کرتا
تھا تاکہ آپ کی قدر و منزلت اہل مکہ کی نظروں
سے گرا دے اور اس کے گمان میں جس چیز کا آپ
دعویٰ کرتے تھے اسے باطل کر دے مگر اپنی بدبختی
سے نادان سمجھا تھا کہ نبوۃ بڑا مرتبہ ہے سعادت
بڑی چیز ہے عنایت الٰہیہ اجل ہے اور جن امور
کو قدرت نے مقدر کیا ہے وہ ثابت ہیں نضر کا
تو یہ گمان تھا کہ اپنے اس ظاہری علم و فضل
سے وہ نبوت کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن چہ نسبت
خاک را با عالم پاک

اس کی غیر مقبولیت کی حد یہ ہے کہ جب جنگ بدر میں وہ مخالفین کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے آیا اور شکست کے بعد قید ہوا تو وہ مسلمانوں میں اس درجہ مبغوض سمجھا گیا کہ باوجودیکہ اس رحمۃ اللعالمینؐ نے بڑے بڑے شدید مخالفین کو رہا کر دیا مگر دوسرے دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ اس کی بھی گردن ماری گئی۔[6]

عہد نبویؐ کا تیسرا مشہور طبیب جس کا تذکرہ تاریخ نے محفوظ رکھا ہے ابن ابی رمثہ ہے۔ اس کے متعلق قاضی صاحب نے لکھا ہے:-

فکان من الاطباء علی عهد النبی
صلی الله علیه وسلم من الاطباء..
.... ابن ابی رمثة التمیمی هو الذی
قال رأیت بین کتفی النبی صلی الله
علیه وسلم خاتم النبوة فقلت له انی

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مشہور
اطباء میں سے .... ابن ابی رمثہ التیمی تھا۔
یہ وہ طبیب ہے جس نے روایت کی ہے کہ میں نے
جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں
کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا تو میں نے عرض کیا

[5] عیون الانباء جلد اول ص ۱۱۳ [6] ایضاً ص ۱۱۳

طبیب بہ دعنی اعالجہ فقال انت رفیق واللطبیب اللہ[1]	میں طبیب ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا علاج کروں تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو محض رفیق ہے اور طبیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن جلجل نے تو اس ارشادِ نبویؐ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ ابن ابی رمثہ کو نظری طب میں کوئی دستگاہ نہیں تھی وہ صرف عملی طب میں مہارت رکھتا تھا جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

کان طبیباً علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزاولاً لاعمال الید وصناعۃ الجراح[2]	وہ عہدِ رسالت میں طبیب تھا اور عمل بالید اور جراحی میں مہارت رکھتا تھا۔

ابن جلجل کے الفاظ یہ ہیں

قال سلیمان بن حسان علم رسول اللہ انہ رفیق الید ولم یکن فائقاً فی العلم فبان ذلک من قولہ والطبیب اللہ[3]	سلیمان بن حسان (ابن جلجل) نے لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس کا ہاتھ کا ہے (عمل جراحی میں ماہر ہے لیکن علم طب (نظری طب) میں کوئی دستگاہ نہیں رکھتا۔ یہ بات ارشادِ نبویؐ "والطبیب اللہ" سے ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابن ابی رمثہ جس تجربی طب (EMPIRICAL MEDICINE) میں کمال رکھتا تھا اس کی نگاہِ نبوت میں کوئی وقعت نہ تھی۔ اور جب معلم کتابؐ کے حضور میں اسے کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی تو اصحابِ رسولؐ میں اسے کیا قبول عام نصیب ہوتا۔

غرض اولاً تو اس عہد کے اطبا رشامی نوفلاطونیت کے بجائے ایرانی نسطوریت کے خوشہ چیں تھے اور ثانیاً خواہ وہ نوفلاطونیت کے خوشہ چیں ہوں یا ایرانی نسطوریت کے ان کے علمی کمالات کو اسلامی سماج میں کوئی مقبولیت نصیب نہ ہوگی۔ رہے شامی نوفلاطونیت کے فلسفیانہ افکار جو طب کے مبادی کے ضمن میں کسی نے

[1] طبقات الامم ص ... [2] عیون الانباء جلد اول ص ۱۱۶ [3] ایضاً ص ۱۱۶

سکا ہو تو انھیں تو انتہائی غیر مقبولیت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ ان کے حاملین کو اس کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

خلافتِ راشدہ اور یونانی فلسفہ سے اولین سابقہ

کہا جاتا ہے کہ یونانی فلسفہ کے سلسلے میں مسلمانوں کا سب سے پہلے مصری حکماء سے سابقہ ہوا۔ مصر ۲۰ھ (مطابق ۶۴۱ء) میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ مفتوحین میں سے جو لوگ فتح کی مبارکباد دینے آئے ان میں بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور فلسفی یحیٰ النحوی بھی تھا۔ ابن القفطی لکھتا ہے:-

یحیی النحوی . . . عاش الی ان فتح	یحیٰ النحوی . . . حضرت عمرو بن العاصؓ کے فتح
عمرو بن العاص مصر والاسکندریة	مصر و اسکندریہ تک زندہ تھا وہ ان کی خدمت
ودخل علی عمرو وقد عرف موضعہ	میں حاضر ہوا اور انھیں اس کے علمی مرتبہ اور
من العلم واعتقادہ وما جری لہ مع	معتقدات کا علم ہوا نیز اُس واقعہ کا جو اُسے اپنے
النصاری فاکرمہ عمرو ورأی لہ	ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا تھا لہذا
موضعاً وسمع کلامہ فی ابطال التثلیث	انھوں نے اس کی عزت و تکریم کی اور اُسے ایک
فاعجبہ وسمع کلامہ ایضاً فی انقضاء	نمایاں مقام دیا۔ انھوں نے "ابطال تثلیث" میں
الدھر ففتن بہ وشاھد من حججہ	اس کی تقریر سنی جو انھیں بہت پسند آئی نیز
المنطقیة وسمع من الفاظہ الفلسفیة	"انقضائے دہر" کی بحث پر اس کا کلام سنا جس سے
التی لم تکن للعرب بھا انسة ما ھالہ	وہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ انھوں نے اس کے منطقی
وکان عمرو عاقلاً حسن الاستماع	دلائل کو دیکھا اور فلسفیانہ الفاظ سنے جن سے
صحیح الفکر فلازمہ وکان لا یکاد	اہل عرب مانوس نہیں تھے۔ اس طرح وہ اس کی
یفارقہ[۲]	علمی قابلیت سے مرعوب ہو گئے۔ اور عمرو بن العاصؓ
. . . .	مرد عاقل اور دوسروں کی بات اچھی طرح سننے والے[۱]

[۱] مثلاً نضر بن الحرث کو جس کا قصہ اوپر مذکور ہے [۲] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۳۵۵

اور صحیح غور و فکر کرنے والے تھے۔ لہٰذا انھوں نے
اس کی صحبت کو لازم پکڑا اور کسی وقت بھی اس کی
جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔

ابن القفطی کے اس جملے سے کہ "فلازمه وكان لا يكاد يفارقه" اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکیم "امیر و دوسا" (عمرو بن العاصؓ) کی خلوت و جلوت کا ندیم تھا۔ لیکن اس سے جو نتیجہ یہ لوگ (شامی مسیحیوں کی وساطت کے قائلین) نکالنا چاہتے ہیں نہیں نکلتا۔

(۱) اولاً تو یہ بعینہ واقعہ ہی تاریخ سے زیادہ افسانہ ہے۔ دو باتیں قابلِ غور ہیں۔

ا۔ قدیم تاریخ اس واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ فتح مصر کے قدیم ترین ماخذ ابن عبد الحکم کی "فتح مصر و مغرب" اور البلاذری کی "فتوح البلدان" ہیں مگر دونوں نہ تو اس ملاقات کا ذکر کرتے ہیں اور نہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کا، جو اس افسانے کا نقطۂ کمال ہے، حالانکہ کم از کم بلاذری فوجی مہموں کے علاوہ دوسرے دلچسپ واقعات کو بھی کبھی کبھی استطراداً بیان کر دیتا ہے۔ قدیم مورخین کی خاموشی اسے مشکوک بناتی ہے۔

ب۔ عمرو بن العاصؓ کی فتح مصر و اسکندریہ سے بہت پہلے یحییٰ النحوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ بعینہ ملاقات ادعائے محض ہے۔ خود مورخین ما بعد کی تصریحات کے مطابق یحییٰ النحوی نا قابلِ یقین حد تک طویل العمر ہو جاتا ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے ابو سلیمان سجستانی سے نقل کیا ہے:

كان يحيى النحوي في ايام عمرو بن العاص	یحییٰ النحوی حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں
ودخل اليه ... وانه قرأ على	تھا اور وہ ان کی خدمت میں بھی داخل ہوا تھا
امونيس وقرأ امونيس على برقلس	۔۔۔۔ اس نے امونیس سے تعلیم پائی تھی اور امونیس
قال ويحيى النحوي يقول انه ادرك	نے برقلس سے۔ اور یحییٰ نحوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ
برقلس[1]۔	اس نے برقلس کا زمانہ پایا تھا۔

[1] عیون الانباء جلد اول ص ۱۰۴۔

برقلس (PROCLUS) کا سالِ وفات ۴۸۵ء ہے اور اسکندریہ کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۶۴۲ء میں فتح کیا تھا یعنی برقلس کی وفات کے ۱۵۷ سال بعد۔ پھر ان مورخین نے خود یحییٰ نحوی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے کچھ اوپر چالیس سال کی عمر تک صرف ملاحی کی اس کے بعد لکھنا پڑھنا سیکھا۔"

"وقال قد بلغت نيفاً واربعين سنة من العمر وما ارتضت بشئ وما عرفت غير صناعة الملاحة"[1]

(یحییٰ نحوی نے لکھا ہے کہ میری عمر کچھ اوپر چالیس سال ہوگئی تھی اور میں نے کچھ نہیں سیکھا تھا اور سوائے ملاحی کے اور کوئی کام نہیں جانتا تھا)

پینتالیس سال کی عمر میں اُس نے پڑھنا لکھنا سیکھا پھر نحو، لغت اور منطق میں تبحر حاصل کیا۔ ظاہر ہے اُس کے بعد ہی اُس نے برقلس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا ارادہ کیا ہوگا جو اب بہت زیادہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس طرح ۶۴۲ء میں اس کی عمر دو سو سال سے کہیں زیادہ ہوگی۔ پھر ابن ابی اُصیبعہ بعض مسیحی تواریخ کے حوالے سے لکھتا ہے:۔

وجدت في بعض تواريخ النصارىٰ	میں نے نصاریٰ کی بعض تواریخ میں دیکھا ہے
ان يحيىٰ النحوي كان في المجمع الرابع	کہ یحییٰ النحوی (کا معاملہ) چوتھی کونسل میں تھا
الذي اجتمع في مدينة يقال لها	جو شہر خلقدونیہ میں منعقد ہوئی تھی ..... اور جب
خلكدونيه ... وانهم لما احرموه	پادریوں نے اسے خارج از کلیسا قرار دیا تو دیگر
لم ينفوه كما نفوا المحرومين ...	لوگوں کی طرح اُسے شہر بدر نہیں کیا ..... و
... وترك في مدينة القسطنطنيه ولم	شہر قسطنطنیہ میں چھوڑ دیا گیا جہاں قیصر مرقیان
يزل بها مقيما حتى مات مرقيان الملك[2]	کی موت تک رہا۔

خلقدونیہ کی کونسل ۴۵۱ء میں ہوئی تھی اور مرقیان کا انتقال ۴۵۷ء میں ہوا۔ ظاہر ہے ۴۵۱ء تھا جس سال خلقدونیہ کی کونسل نے یحییٰ النحوی کو ملعون اور خارج از مذہب قرار دیا اس کی عمر چالیس سال

[1] عیون الانباء جلد اول ص ۱۰۴۔ [2] ایضاً ص ۱۰۴۔

کے قریب ہوگی۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ سے مبینہ ملاقات کے وقت اس کی عمر تقریباً ڈھائی سو سال ہوتی ہے اور اس وقت بھی حسب تصریح ابن القفطی اس کی ذہنی حالت بہت صحیح اور تندرست تھی کہ اس نے اپنی منطقی گفتگو سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہ امور اس مبینہ ملاقات کو مشکوک بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یحییٰ النحوی کی شخصیت اسلامی ادب میں تاریخی سے زیادہ افسانوی رہی ہے۔ بیہقی نے صوان الحکمہ میں اسے اسکندریہ کے بجائے ایران میں دکھایا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد تک زندہ بتایا ہے:-

یحیی النحوی الملقب بالبطریق والمنسو الی الدیلم	یحییٰ النحوی جو بطریق کے لقب سے ملقب ہے اور دیلم کی طرف منسوب ہے۔
کان یحیی الدیلمی من قدماء الحکماء وکان نصرانیاً فیلسوفاً فاراد عامل امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان اخراجہ عن فارس وتخریب دیرہ فکتب یحییٰ قصتہ الی امیر المومنین وطلب منہ الامان فکتب محمد بن الحنفیہ لہ کتاب الامان بامر امیر المومنین۔ وقد رأیت نسخۃ ھذا الکتاب فی یدی الحکیم ابی الفتوح المستوفی النصرانی الطوسی[۱]	یحییٰ دیلمی قدیم علماء میں سے ہے وہ نصرانی فلسفی تھا۔ اسے امیر المومنین حضرت علیؓ کے عامل نے ایران سے نکالنا اور اس کی خانقاہ کو تباہ کرنا چاہا تو یحییٰ نے پورا معاملہ لکھ کر امیر المومنین حضرت علیؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے امان چاہی پس حضرت محمد بن الحنفیہ نے حضرت علیؓ کے حکم سے اس کے لئے امان نامہ لکھا۔ بیہقی کہتا ہے کہ میں نے اس امان نامہ کی نقل طوس کے نصرانی حکیم ابو الفتوح مستوفی کے پاس دیکھی تھی۔

اس حساب سے اس کی عمر ڈھائی سو سال سے بھی زائد ہوتی ہے اور یہ غیر معمولی طولِ عمر ایک تاریخی

[۱] تتمہ صوان الحکمہ ص ۲۳

اعجوبہ ہے جس کا تاریخ قدیم کی نظروں سے اوجھل ہو جانا بجائے خود ایک انخراقِ عادت ہے۔ اور جب متاخرین کو اس کے استبعاد کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کے ازالہ کے لئے ایک جملہ بڑھا دیا کہ یحیٰ نحوی نے عمر طویل پائی۔ چنانچہ ابن ابی اُصیبعہ نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں جالینوس کی کتابوں کو سات شخصوں نے ایڈٹ کیا اور

ومن علماء الاسکندرانیین	اور اسکندریہ کے ان علماء میں سے یحیٰ نحوی
یحیٰ النحوی الاسکندرانی الاسقلانی	اسکندرانی نے عمر طویل پائی یہاں تک کہ تاریخ
حتی لحق اوائل الاسلام[1]	اسلام کے ابتدائی زمانہ تک تھا

ابن الندیم کے زمانہ میں بھی یہ افسانہ (یحیٰ نحوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی مبینہ ملاقات) ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا مگر وہ اسے برقلس اور امونیوس کے بجائے ساواری؟ (SEVERUS) کا شاگرد بتاتا ہے بایں ہمہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات پر اسے بھی اصرار ہے۔

اخبار یحیٰ النحوی ...... وعاش	یحیٰ النحوی .... وہ اس وقت تک بقید حیات
الی ان فتحت مصر علی یدی عمرو	تھا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کو فتح
بن العاص۔ فدخل الیہ واکرمہ	کیا وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں
ورای لہ موضعاً[2]	نے اُس کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے یہاں
....	ایک مناسب مقام دیا۔

غالباً ابن الندیم کو یا جن لوگوں سے اُس نے اس ملاقات کو روایت کیا ہے یحیٰ النحوی کی ایک عبارت کو غلط پڑھنے سے ہوئی ہے جس سے ان لوگوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ تصنیف فہرست کے وقت (۳۷۷ھ) میں یحیٰ النحوی کو وہ عبارت لکھے ہوئے تین سو سال سے اوپر ہوئے تھے۔ اس حساب سے یحیٰ النحوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا ہمعصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دونوں کی ملاقات غیر مستبعد نہیں رہتی۔

---

[1] عیون الانباء جلد اول ص ۱۰۴ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۳۵۶۔

وذکر یحیی النحوی فی المقالة الرابعة	یحیٰی نحوی نے ارسطو کی کتاب سماع طبیعی
من تفسیرہ لکتاب السماع الطبیعی	(PHYSICS) کی جو تفسیر لکھی ہے
فی الکلام فی الزمان مثالاً قال	اس کے چوتھے مقالہ میں جو "زمانہ" کی بحث
فیہ مثل سنتنا هذه وهی سنہ	ہے ایک مثال دی ہے اور لکھا ہے جیسا
ثلاث واربعین وثلثمائة	کہ ہمارا یہ سنہ ۳۴۳ دقلطیانوسی ہے۔ یہ بات
لدقلطیانوس القبطی. فهذا یدل	اس پر اشارہ کرتی ہے کہ ہمارے اور یحیٰی
علی ان بیننا وبین یحیی النحوی ثلثمائة	نحوی کے درمیان کچھ اوپر تین سو سال ہوئے
سنة ونیف وقد یجوز ان یکون	ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے اس کتاب کی
فسر هذا الکتاب فی صدر عمرہ	اپنی عمر کے ابتدائی حصہ میں شرح کی ہو کیونکہ
لانہ کان فی ایام عمرو بن العاص[1]	وہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں تھا۔

لیکن یہ عبارت مقالہ رابعہ کے بجائے سولہویں مقالے میں ملتی ہے جہاں ۳۴۳ھ کے بجائے ۲۴۵ھ مذکور ہے اور ۲۴۵ھ ۵۲۹ مسیحی کے مطابق ہوتا ہے اور اس سنہ میں سب لوگ یحیٰی النحوی کا بقید حیات ہونا تسلیم کرتے ہیں۔[2]

بہر حال کیسی ہی اعتدال کی زندگی کیوں نہ بسر کی جائے ڈھائی سو سال زندہ رہنا ناقابل یقین ہے اسی لئے ماکس مایرہوف نے "اسکندریہ سے بغداد تک" میں لکھا ہے۔

"اور آج ہم بالیقین جانتے ہیں کہ یہ یونانی عالم جو قیساریہ میں پیدا ہوا تھا عربوں کی فتح مصر سے تقریباً ایک صدی پہلے مر چکا تھا مگر عرب مصنفین کو اسی پر اصرار رہا ہے کہ عمرو بن العاص فاتح مصر سے اس کا تعلق قائم کریں حالانکہ ان کے یہاں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ امونیوس کا شاگرد تھا اور امونیوس پروکلس کا شاگرد تھا"[3]

اسی طرح بٹلر نے "عربوں کی فتح مصر" میں لکھا ہے:-[4]

---

[1] الفہرست الندیم ص ۳۵۶-۳۵۷ [2] التراث الیونانی ص ۵۳ [3] ایضاً ص ۵۰ [4] بٹلر: ص ۴۰۶

NOW THERE CAN BE VERY LITTLE DOUBT ABOUT THE FORMER POINT; JOHN WAS NOT ALIVE IN 642 I NEED NOT RECAITULATE THE WHOLE PROOF OF THIS STATEMENT. IT IS KNOWN THAT JOHN WAS WRITING AS EARLY AS 540 IF NOT BEFORE THE ACCESSION OF JUSTINIAN IN 527; AND THOUGH HE MAY HAVE SURVIVED FOR A FEW YEARS AT THE BEGINNING OF THE SEVENTH CENTURY, IF HE HAD BEEN ALIVE IN THE YEAR 642 HE WOULD NOT HAVE BEEN LESS THAN 120 YEARS. IT IS THEREFORE CLEAR THAT PHILOPONUS HAD BEEN DEAD FOR SOME THIRTY OR FORTY YEARS WHEN AMR ENTERED ALEXANDRIA*

(اب ان میں سے پہلی بات کے متعلق تو کوئی شک نہیں ہے۔ یحییٰ ۶۴۲ء میں بقید حیات نہیں تھا۔ میرے لئے اس دعوے کے تمام دلائل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ اگر قیصر جسٹینیان کی تخت نشینی سے پہلے ۵۲۷ء میں نہیں تو کم از کم یحییٰ النحوی ۵۴۰ء میں ضرور تصنیف و تالیف کے اندر مشغول تھا اور ہر چند کہ وہ ساتویں صدی کے آغاز میں کچھ سال زندہ رہا ہو اگر وہ ۶۴۲ء میں زندہ ہوتا تو اس کی عمر ۱۲۰ سال سے کم نہ ہوتی

لہٰذا یہ ثابت ہے کہ فیلوپونس (یحییٰ النحوی) عمرو بن العاصؓ کے اسکندریہ میں داخل ہونے سے کوئی تیس چالیس سال پہلے مر چکا تھا)

ظاہر ہے جب یحیٰ النحوی فتح مصر و اسکندریہ سے ایک قرن یا تیس چالیس سال پہلے مرچکا ہو تو حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات کیسی۔ اور جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تو امرا اور رؤساء عرب میں فلسفہ کو متعارف کرانے کا کیا سوال۔

(٢) ثانیاً: اگر علی سبیل التنزل فرض کر لیا جائے کہ یہ قصہ صحیح ہے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یحیٰ النحوی نے مسلمانوں میں فلسفہ کو ہر دلعزیز بنایا یا کسی عقلی موشگافی کی تحریک کو پیدا کیا۔

اوپر اس قصہ کی تین روایتیں گذری ہیں: ابن الندیم کی، ابن القفطی کی اور بیہقی کی روایت تو یقیناً غلط ہے یحیٰ النحوی نہ دیلمی تھا نہ ایران میں اس کی خانقاہ تھی۔ باقی دو روایتوں سے بھی اگر انھیں فرض کر لیا جائے تو بجائے یہ ثابت ہونے کے کہ یحیٰ النحوی نے مسلمانوں کو فلسفہ کا چسکا لگایا یہی ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ مسلمانوں میں قطعاً غیر مقبول ثابت ہوا۔

١۔ ابن الندیم نے صرف اس قدر لکھا ہے:۔

وعاش الی ان فتحت مصر علی یدی عمرو بن العاص فدخل الیہ واکرمہ ورأی لہ موضعاً[1]	(یحیٰ النحوی) اس وقت تک بقید حیات تھا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کو فتح کیا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے اس کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے یہاں ایک مناسب مقام دیا۔

لیکن اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنے کے بجائے کہ حضرت عمرو بن العاص فلسفہ کے گرویدہ ہو گئے اسے ان کے حسنِ تدبر پر محمول کرنا اقرب الی الصواب ہوگا۔ ان کی سیرت ہمارے سامنے ہے "مکر و دہا" ان کا امتیازی وصف تھا چنانچہ ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا ہے:

قال دہاۃ العرب اربعۃ معاویۃ وعمرو بن العاص والمغیرۃ بن شعبۃ	عرب سیاست داں چار ہیں: امیر معاویہ، حضرت عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ

[1] الفہرست لابن الندیم ص ٣٥٦۔

وزیاد. فاما معاویہ فللحلم والاناۃ ... امیر معاویہ اپنے حلم و بردباری کے لئے اور حضرت
واما عمرو فللمعضلات[1] .... عمرو بن العاص مشکل پیچیدگیوں کو سلجھانے کے
.... لئے مشہور ہیں۔

اور اس مزاج کے لوگوں کو فلسفیانہ تدقیق سے کم دلچسپی ہوا کرتی ہے اگرچہ وہ ظاہر یہی کیا کرتے ہیں کہ ں ان مباحث سے خصوصی ذوق ہے۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان کے اس اعزاز و اکرام اور "حسن استماع" میں کوئی سیاسی چال مضمر ہو۔ ں کے لئے فتح عرب سے پہلے کے مصر کی معاشرتی و مذہبی حالت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مصر کی اس سے پہلے کی تاریخ بن بالادستی کے خلاف مسلسل نفرت اور مختلف فرقوں کی کشمکش کی ایک اکتا دینے والی داستان ہے۔ چوتھی دی مسیحی کے ربع دوم سے جو یہ مذہبی مناقشات شروع ہوئے تو آخر تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا۔ جس فرقہ یاسی غلبہ حاصل ہوجاتا وہ اپنے مخالفین کو ملعون و خارج از کلیسا قرار دلوا دیتا۔ ان مذہبی نزاعوں نے مصر ا قومی یک جہتی اور سیاسی استحکام کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اسی اندرونی خلفشار کی وجہ سے پہلے اہل فارس ر پھر عرب اُن پر اس آسانی سے قابو پا گئے۔

بہرحال اسی مذہبی تنگ نظری کا شکار یحییٰ النحوی تھا جسے خلقدونیہ کی مذہبی کونسل نے خارج از دین قرار یا تھا۔ لہٰذا اگر اس مبینہ ملاقات کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کی تاویل صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت رو بن العاصؓ نے ایک سیاس (DIPLOMAT) کی طرح ستم رسیدہ اقلیت کو اپنے یہاں بار دیا اور ن کے خطبات و مواعظ کو سننے اور اُن پر اظہار قدر افزائی کرنے کے ذریعے ان کی ہمت افزائی کی تاکہ مفتوحین میں مذہبی تفریق بنی رہے اور وہ نئے فاتحین کے خلاف متحدہ محاذ قائم نہ کر سکیں۔

ب۔ ابن القفطی کا بیان بہت زیادہ مفصل ہے۔ اس نے صرف اس اعزاز و اکرام کا اور گرویدگی و تاثر ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سارے قصے کا جو شاہکار ہے یعنی "اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا افسانہ" س کی بھی تفصیل دی ہے۔ چنانچہ اعزاز و اکرام اور گرویدگی کے ذکر کے بعد جو اوپر مذکور ہو چکا ہے وہ

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۳۰۔

لکھا ہے:-

ثم قال له يحيى يوماً انك قد احطت بحواصل الاسكندرية وختمت على كل الاصناف الموجودة بها فاما مالك به انتفاع فلا اعارضك فيه واما ما لا نفع لكم به فنحن اولى به. فامر بالافراج عنه فقال له عمرو وما الذي تحتاج اليه قال كتب الحكمة في خزائن الملوكية وقد اوقعت الحوطة عليها ونحن نحتاجون اليها ولا نفع لكم بها فقال له ومن جمع هذه الكتب وما قصتها[1] . . . . . .

. . . .

. . . .

پھر ایک دن یحییٰ النحوی نے اُن سے کہا آپ نے پورے اسکندریہ پر پہرہ بٹھا دیا ہے اور وہاں کی جملہ موجودات پر مہر لگادی ہے۔ تو جو چیز آپ کے فائدہ کی ہے اس کے لئے ہم آپ سے کچھ نہیں کہتے البتہ جو چیز آپ کے لئے بے کار ہے تو پھر اُس کے ہم زیادہ مستحق ہیں لہٰذا آپ اس پر سے پہرہ اٹھانے کا حکم دیدیجئے حضرت عمرو بن العاصؓ نے دریافت کیا وہ کیا چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے تو یحییٰ النحوی نے کہا شاہی کتب خانہ کی حکمت و فلسفہ کی کتابیں جن پر آپ نے پہرہ لگا دیا ہے اور ہم اس کے حاجتمند ہیں اور آپ کے لئے وہ بے کار ہیں تو انھوں نے پوچھا۔ ان کتابوں کو کس نے جمع کیا اور ان کا کیا واقعہ ہے۔

اس پر یحییٰ النحوی نے اس مشہور لائبریری کا قصہ سنایا کہ کس طرح بطلیموس فیلاڈلفیوس نے اس کی بنیاد ڈالی اور کس طرح بعد (یحییٰ کے زمانہ تک) اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اسے سنکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بڑا تعجب ہوا۔

اور پھر:-

قال لا يمكنني ان امر فيها الا بعد استئذان امير المومنين عمر بن الخطاب وكتب الى عمر وعرفه قول يحيى الذي ذكرناه

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا میرے لئے اس معاملہ میں حکم جاری کرنا ناممکن ہے مگر امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے اجازت لینے کے بعد

---

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۲۳۲۔

واستأذنہ ما الذی یصنع فیھا فورد
علیہ کتاب عمر یقول فیہ واما
الکتب التی ذکرتھا فان کان فیھا
ما یوافق کتاب اللہ ففی کتاب اللہ
عنہ غنی وان کان فیھا ما یخالف
کتاب اللہ فلا حاجۃ الیھا فتقدم
باعدامھا فشرع عمرو بن العاصؓ
فی تفریقھا علی حمامات الاسکندریہ
واحرقھا فی مواقدھا وذکرت
عدۃ الحمامات یومئذ وانسیتھا
وذکروا انھا استنفدت فی مدۃ
ستۃ اشھر فاسمع ما جری
واعجب۱؎ . . . .
. . . .
. . . .

اور انھوں نے حضرت عمرؓ کو ایک خط لکھا جس میں
یحیٰی النحوی کا بتایا ہوا پورا قصہ درج کیا اور
ان سے ہدایت طلب کی کہ اس بارے میں کیا کیا
جائے۔ پس ان کے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا جس میں
لکھا تھا: رہیں وہ کتابیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے تو
اگر ان کا مضمون کتاب اللہ کے موافق ہے تو ہمارے
لئے صرف اللہ کی کتاب کافی ہے اور اگر اس میں
کتاب اللہ کے خلاف لکھا ہے تو ہمیں ان کی کوئی
ضرورت نہیں۔ لہٰذا انھیں برباد کردو۔ پس حضرت
عمرو بن العاصؓ نے انھیں اسکندریہ کے حماموں
میں تقسیم کرنا شروع کردیا اور انھیں حماموں کی بھٹیوں
میں جلوا دیا۔ اس وقت جتنے حمام تھے ان کی تعداد
بتائی گئی تھی مگر میں بھول گیا۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ
چھ ماہ تک یہ کتابیں جلتی رہیں۔ بس اس واقعہ کو
سنو اور تعجب کرو۔

اس افسانہ کا سر اور پیر دونوں دروغ بافی کے بدترین نمونے ہیں کیونکہ جیسا کہ بٹلر اور سارٹن ماہرین فن کی تصریحات اوپر مذکور ہوئیں نہ حضرت عمرو بن العاصؓ سے یحیٰی النحوی کی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ان کے داخلے کے وقت شاہی لائبریری اسکندریہ میں باقی تھی جسے یا تو دو تین سو سال پہلے مسیحی تعصب و تنگ نظری نے جلا کر تباہ کر ڈالا تھا یا جو بہت پہلے قسطنطنیہ میں منتقل ہوچکی تھیں چنانچہ برنٹیا جو اسکندریہ کی قدیم تاریخ کا ماہر خصوصی سمجھا جاتا ہے، لکھتا ہے:۔

۱؎ اخبار العلماء باخبار الحکماء ص ۲۳۳۔

یہ بات مشکل ہے بلکہ شاید ناممکن بھی کہ ہم چوتھی صدی مسیحی کے اختتام کے بعد اسکندریہ میں کسی واقعی لائبریری کا وجود فرض کر سکیں[۱]"

اسی طرح کریفٹن ملنی (CRAFTON MILNE) لکھتا ہے۔

"چوتھی صدی میں شہر اسکندریہ کے اندر کسی لائبریری کے موجود ہونے کا ثبوت نہیں تھا اور یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں کسی مذہبی یا ملکی حاکم نے کسی کتب خانہ کی نگہداشت کی زحمت کی ہو[۲]"

لیکن اس مختصر مقالے کا موضوع کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے" کے افسانہ پر تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ فرض کیجئے "اخلاق الاکاذیب" کا یہ شاہکار صحیح تھا تو اس سے اس کے سوا اور کیا ثابت ہو سکتا ہے کہ قدیم ترین فلسفی جس سے مسلمانوں کا سابقہ ہوا وہ اُن میں کسی پائدار اور دیرپا عقلی تحریک کی بنیاد ڈالنا تو در کنار اسلام کی اجتماعی فکر کو آشنا بھی ہونا نہ کر سکا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ہی واسطے فلسفہ کے مطالعہ کے لئے اسکندریہ کی لائبریری سے استفادہ کی اجازت لے لیتا۔

پھر مسلمانوں نے اپنی مبینہ "حکمت دشمنی" کا ثبوت تو بعد میں دیا۔ اس سے پہلے ہی اس فلسفی کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کی اتنے دن کی جہالت دہم نشینی بھی ان مسلمانوں میں کسی عقلی ہوشمندی کی تحریک پیدا نہیں کر سکی۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے علم و حکمت کے جواہر پارے بے کار ہیں اور بجائے اس کے کہ ان کی تولیت میں علوم الاوائل کے ان نوادر کو دیمک کھا کھا کر ختم کریں، یہ لائبریری اسے اور اُس کے ہم مذاق حکماء ہی کو دیدی جائے جو اس کی قدر کر سکتے تھے اسی وجہ سے اس نے کہا تھا۔

"فاما مالك به انتفاع فلا اعارضك واما ما لا نفع لكم به فنحن اولیٰ به"

[۱] EV. BRECCIA: ALEXANDREA AD AEGYPTUM P. 49

بحوالہ التراث الیونانی ص ۱۴۱۔

[۲] J. CRAFTON MILNE: HISTORY OF EGYPT UNDER ROMAN RULE, P. 95

اگر یحییٰ النحوی نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر عربوں میں فلسفہ وحکمت کا شوق پیدا کر دیا ہوتا یا اُسے امید ہوتی کہ یہ نو تمدن بادیہ نشین مستقبل میں یونانی تعلیمات سمجھنے کی زحمت گوارا کریں گے تو وہ اس لائبریری کو "مالا نفع لکم بہ" سے تعبیر نہ کرتا بلکہ انھیں اس سے استفادہ کا شوق دلاتا۔

غرض عہد خلافت راشدہ (۱۱ - ۴۰ھ) میں تنہا مثال یحییٰ النحوی کی ہے جس سے مسلمانوں کا سابقہ بتایا جاتا ہے۔ مگر تاریخی تنقید کی کسوٹی پر کسنے سے یہ قصہ افسانہ ثابت ہوتا ہے اور اگر تاریخی حقیقت بھی ثابت ہو تو اس سے صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خواہ یحییٰ النحوی نے کوشش کی ہو یا نہ کی ہو یونانی عقلیات مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکی۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں شائع ہونے والا
واحد ہفت روزہ
"الہلال" اور "البلاغ"
کی عظیم روایات کا آئینہ دار
پٹنہ
الکلام
نوع بنوع مقالوں، ادبی شہ پاروں، سیاسی تبصروں اور تازہ ترین بین الاقوامی معلومات اور منظومات کے ساتھ ہر سنیچر کو پوری پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ مولانا آزاد کی لافانی نگارشات اور اُنکے افکار دنیا کا پر گرانقدر مضامین "الکلام" کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ملک کے نامور ادیبوں اور عالموں اور معیاری رسائل و جرائد نے الکلام کے معیار کو سراہا ہے ــــ معیاری کتابت و طباعت سفید کاغذ۔ آرٹ پیپر کا ٹائٹل۔ قیمت فی پرچہ ۲۰ نئے پیسے اور سالانہ چندہ ۱۲ روپئے۔
پتہ: "الکلام" پٹنہ ۴